کیا اب سیکولر حضرات یہ چاہتے ہیں کہ امریکہ اور برطانیہ اور اسرائیل کے یہ چہیتے جاسوس ایک بار پھر پاکستان اور کشمیر میں فتنہ و سازش اور ظلم و تعدی کے ذریعے مسلمانوں کو اذیتیں دیں اور پچھلے انتقام لیں اور خطہ کی سیاست کو پاکستان کے لیے ایسا ٹیڑھا کر دیں کہ اس پورے خطے پر نیو امپیریلزم (قرض+ اسلحہ+ ثقافت کی بخشش کی بنیادوں پر) اپنا آہنی جال پھیلا دے اور یہ مسلمان جنھوں نے مرزا صاحب کو نہیں مانا' یہ اور ان کی اولادیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مریں۔ کیا حکومت ویسے ہی جھمیلے اور تصادم پیدا کرنا چاہتی ہے؟

اس فتنہ قادیانیت کی ایک مختصر کہانی جناب محمد متین خالد نے بہت اچھی شکل میں تیار کی ہے اور اس طرح نئی نسلوں کو قادیانی سرطان کے پھوڑے کے زہریلے پن سے آگاہ کیا ہے۔

(نعیم صدیقی)

نظامِ تعلیم' نظریہ' روایت' مسائل: از پروفیسر خورشید احمد ۔ مرتب: سلیم منصور خالد ۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز' مرکز ایف' سیون اسلام آباد۔ صفحات ۳۴۶۔ قیمت ۱۸۰ روپے۔

نظر سب سے پہلے دیدہ زیب گردوپوش پر جم کر رہ جاتی ہے' مسئلہ بھی اسی قدر اہم ہے۔ تعلیم' پاکستان بلکہ امت مسلمہ کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس موضوع پر' پُر مغز تحریرات کا یہ مجموعہ' مسئلے کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کرتا ہے۔ آج تمام مسلم ممالک بظاہر آزاد ہیں مگر آزادی کی حقیقی منزل سے ابھی کوسوں دور ہیں' اور معاشی اور تہذیبی استعمار کا شکار ہیں۔ سبب تلاش کیا جائے تو تعلیم ہی میں ملے گا۔ اگر ہماری قیادت' حصول آزادی کے بعد نظام تعلیم کی تشکیل نو اسلامی بنیادوں پر کرتی' تو ۳۰'۳۵ سال میں قوم حقیقی آزادی سے ہم کنار ہو چکی ہوتی لیکن ----

اختصاص کے اس دور میں' "مقام بنانے کے لیے" مشورہ یہ دیا جاتا ہے کہ صلاحیت کو کسی ایک شعبے پر مرتکز کر لینا چاہیے۔ پروفیسر خورشید احمد کو بھی یہ مشورہ ضرور ملا ہو گا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو محض ایک ماہرِ معاشیات ہوتے' اور ہم اس کتاب سے محروم رہ جاتے۔ یہ غالباً مرتب کے ذوق کا مسئلہ بھی ہے کہ انھوں نے معاشیات یا سیاسیات سے پہلے تعلیم پر مجموعہ مضامین شائع کیا ہے (یقیناً معاشیات اور سیاسیات پر مجموعے اس سے زیادہ ہی ضخیم ہوں گے)

جیسا کہ عنوان ہی سے ظاہر ہے 'کتاب کو نظریہ' روایت اور مسائل تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ۴' دوسرے میں ایک اور تیسرے میں ۳۴ تحریرات ہیں۔ نظریہ اور روایت کے ابواب بھی قیمتی ہیں' اور پس منظر کے مطالعہ کے لیے ضروری بھی' لیکن مصنف کی فکر و ذہانت کا ماحصل تیسرے حصے میں سامنے آتا ہے۔ یہ تحریریں گذشتہ ۴۲ سال کے دوران میں لکھی گئی ہیں۔ یوں ان کی مدد سے ملک کی تعلیمی تاریخ کا مطالعہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ مصنف طالب علمی کے دور میں طلبہ کی اسلامی تحریک کے قائد کی حیثیت سے' اور بعد میں جامعہ کراچی کے ایک استاد کی حیثیت سے تعلیمی مسائل سے براہِ راست متعلق رہے ہیں۔ گذشتہ برسوں میں انھیں سینٹ میں بھی تعلیمی مسائل پر اظہار خیال کا موقع ملتا رہا۔ مرتب کے الفاظ میں یہ تحریرات مصنف کی : "علمی' تعلیمی بصیرت کی آئینہ دار ہی نہیں بلکہ اس تاریخی فہم و ادراک کی بازگشت بھی ہیں جو حق گو اہلِ قلم کا امتیازی شعار رہا ہے ——— طولِ زمانی کے باوجود ان سب میں عقیدے کی پختگی' راست فکری' وسعتِ مطالعہ اور تجزیے کی گہرائی یکساں طور پر موجود ہے۔ انھوں نے بہت سے مقامات پر قائدانہ بصیرت کے ساتھ دو ٹوک اور نتیجہ خیز موقف اختیار کیا ہے۔ اس لیے تعلیمی و تہذیبی انقلاب کی یہ منفرد آواز اہلِ دانش کے لیے غور و فکر کی دعوت اور اہلِ حل و عقد کے لیے فیصلہ و عمل کا پیغام ہے۔"

مسائل پر گفتگو میں مسئلے کا واضح ادراک' نظریے کا مکمل شعور اور قابلِ عمل تجاویز و اقدامات ملتے ہیں۔ بعض جامع تجاویز اور تبصرے ہیں جن میں بیشتر مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے اور بعض اہم مسائل پر الگ بحثیں ہیں' مثلاً : ذریعۂ تعلیم کا مسئلہ' طبقاتی تعلیم کا مسئلہ' پرائمری تعلیم' یونی ورسٹی تعلیم' فنی تعلیم' دینی مدارس کی تعلیم' اسلامیات کا نصاب وغیرہ ——— ان بحثوں میں وہ نکات ہیں جن سے ہمارے پالیسی ساز اور ماہرینِ تعلیم ہی کو نہیں' بلکہ بی ایڈ اور ایم ایڈ کرنے والے طلبہ اور تدریس میں مصروف اساتذہ کو بھی ضرور واقف ہونا چاہیے۔ ضروری تو یہ ہے کہ سیاسی قائدین بھی مطالعے کی عادت اپنائیں اور یہ کتاب بھی پڑھیں۔

نظامِ تعلیم میں مطلوبہ تبدیلی کیوں نہیں ہو سکی؟ یہ کتاب اس کا جواب مہیا کرتی ہے۔ پاکستان کے خصوصی حوالے سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ ملک کی باگ ڈور جن قوتوں کے ہاتھ میں رہی ہے' انھوں نے یہ گوارا ہی نہیں کیا کہ تعلیم کو اس کا صحیح مقام ملے اور تعلیم کا قبلہ راست کرنے کی فکر کی جائے۔ ایک کشمکش ہے جو جاری ہے اور اب تو بیرونی

طاقتیں اپنے مفادات کے تحت تعلیم کی تشکیل میں خود سامنے آکر نمایاں کردار ادا کر رہی ہیں۔ پروفیسر خورشید احمد اپنے دیباچے میں بجا طور پر ماتم کناں ہیں: "یہ کیسی تاریکی ہے کہ آج کی سیاسی اور دینی قیادت کی فکر اور اس کی عملی جدوجہد میں تعلیم کی اصلاح کا مرکزی مقام تو ایک طرف رہا' قانونی درجے کا مقام بھی نظر نہیں آتا"۔

شاید یہ کتاب اسے مرکزی مقام دلانے کا کچھ احساس پیدا کر سکے۔

(احمد انس)

عظمت رفتہ: از: ڈاکٹر عبدالحلیم عویس۔ مترجم: ڈاکٹر مقتدیٰ حسن یاسین۔ ناشر: ادارۃ البحوث الاسلامیہ' جامعہ سلفیہ' بنارس۔ صفحات ۱۶۰۔ قیمت درج نہیں۔

اسباب زوال امت' مسلم اور غیر مسلم مورخین و مفکرین کا ایک مرغوب موضوع رہا ہے۔ مصنف نے اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے "مسلم حکومتوں کے زوال کا عبرت آموز جائزہ" پیش کیا ہے۔ انھیں مغربی ماہرین تاریخ کے اس فلسفے سے اتفاق نہیں کہ تاریخ ہمیشہ عمودی شکل میں اپنا راستہ طے کرتی ہے۔ اس اعتبار سے اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی کا امکان نہیں (لیکن اسلام سے خوف' اسلامی تحریکوں کا راستہ روکنے کی مجنونانہ کوششیں اور "بنیاد پرستی" کی آڑ میں مسلمانوں کے خلاف مہم چہ معنی دارد؟ گویا خود مغرب اپنے فلسفیوں کی اس تھیوری پر یقین نہیں رکھتا؟) --- لیکن ڈاکٹر عویس "جو تھا نہیں ہے' جو ہے نہ ہوگا" کے برعکس اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں "ادھر ڈوبے ادھر نکلے' ادھر ڈوبے ادھر نکلے" کے قائل ہیں۔ ان کے خیال میں اسلام کے باب میں تاریخ کی حرکت screw - shaped ہے' جس میں منظم طور پر ہبوط و صعود کے مرحلے آتے ہیں۔ ہبوط اس وقت ہوتا ہے' جب اندرونی طور پر اختلاف و فساد پیدا ہو جائے' اور صعود اس وقت ہوتا ہے' جب خارجی چیلنجوں کو قبول کرلیا جائے --- وہ مزید کہتے ہیں کہ امت کے تاریخی تجربے میں ہبوط کے مرحلے اندرونی حالات سے مربوط رہے ہیں۔ اس امت پر باہر سے جتنی زد پڑی' اس سے زیادہ اندر سے پڑی' بلکہ خارجی دشمنوں کو نقصان پہنچانے کا موقع ہی اس وقت ملا' جب اندر لگے ہوئے گھن کے ذریعے ان کو راہ ملی۔

اپنے موقف کی تائید میں مصنف نے چودہ سو سال کی مسلم حکمرانی کی تاریخ سے استدلال کیا ہے' اور یہ استدلال خاصا قوی ہے --- انھوں نے تاریخ کے بعض ایسے واقعات و حوادث کی طرف متوجہ کیا ہے' جن کی طرف عام مورخین کی نظر نہیں جاتی' یا وہ انھیں قابل ذکر نہیں سمجھتے